سائنسی درسی کتابوں میں مذہبی آمیزش

(تحریر: ڈاکٹر ذوالفقار خان)

گذشتہ دنوں سوشل میڈیا پر سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ کی منظور کردہ فزکس کی درسی کتاب کے پہلے چند صفحات کی تصاویر دیکھیں جن کے مطابق کتاب کا آغاز ان الفاظ سے ہو رہا تھا۔ ''اربوں سال پہلے خدا نے اس کائنات کو ایک لفظ 'کن' سے تخلیق کیا۔ اس کائنات کے نظام کو چلانے کے لیے کچھ اصول وضوابط مقرر کیے۔ ان قوانین کا نام قوانینِ قدرت ہے۔''

اس بات کی وضاحت کرنے کی شاید ضرورت نہیں کہ کائنات کے متعلق یہ دعوے سائنس کے نہیں بلکہ مذہب کے ہیں تو پھر یہ جملے سائنس کی کتاب میں کیوں موجود ہیں؟ لیکن اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ ریاست کی جانب سے سائنسی کتابوں میں ایسی باتیں شامل کرنے کی روایت پاکستان میں بالکل بھی نئی نہیں ہے۔ میرا اپنا تعلق اس نسل سے ہے جس نے میٹرک کا امتحان مسلمان سائنسدانوں کے کارنامے رٹ کر کیا ہے اور جسے ارتقاء کی تھیوریوں سے قصداً لاعلم رکھا گیا ہے۔ اور یہ بات صرف پاکستان تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ترقی یافتہ ممالک میں بھی مذہبی اعتقادات کو سائنسی کتابوں میں داخل کرنی کی کوششیں کئی حلقوں کی جانب سے جاری ہیں۔ اس کی ایک مثال تو امریکہ ہے جس کی جنوبی ریاستوں میں یہ کوشش کافی عرصے سے ہو رہی ہے کہ ارتقاء کی تھیوریوں کو کسی طرح لازمی کی بجائے اختیاری مضمون بنا دیا جائے یا اس کے ساتھ 'ذہین ڈیزائن' (Intelligent Design)، جو بظاہر مذہبی نقطہ نظر سے متاثر ایک مفروضہ ہے، یا بائبل کے نظریہ تخلیق کو بھی پڑھایا جائے۔

سوال یہ ہے کہ سائنسی کتب میں مذہب کی اس آمیزش کے پیچھے ریاست کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔ حسنِ ظن رکھتے ہوئے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ شاید ایسی باتیں سائنس کے طالب علموں کی حوصلہ افزائی کے لئے شامل کی گئی ہوں کہ آپ بلا جھجک سائنسی تعلیم حاصل کریں، آپ کا مذہب اس بات کا مخالف نہیں۔ اگر یہ بات درست ہو بھی تو اول تو ایسی چیزوں کی جگہ اسلامیات کی کتاب ہے۔ دوم یہ کہ حوصلہ افزائی کا انداز یہ نہیں ہوتا کہ آپ فزکس کی کتاب میں سائنسی اور مذہبی خیالات کو گڈمڈ کر کے پیش کریں۔ جس قسم کا انداز بیان یہاں اپنایا گیا ہے اس سے تو یہ لگتا ہے کہ سائنسی علوم کو مذہبی عقائد کے سائے میں رکھنے کی شعوری کوشش کی جا رہی ہو۔

ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ شاید ریاست کو ڈر ہو کہ سائنس پڑھنے سے لوگ مذہب سے دور ہو جائیں گے۔ اگر ایسا ہے تو یہ خدشہ بالکل بے بنیاد ہے، وگرنہ آج مغربی دنیا میں چرچ ختم ہو گئے ہوتے۔ ایک انسان کا اپنے کلچر، مذہب اور زبان وغیرہ سے رشتہ اتنا گہرا ہوتا ہے کہ کوئی تعلیم، کوئی انداز فکر اس عقیدت اور محبت کو ختم نہیں کر سکتا جو اس نے اپنے بچپن کے ماحول سے یا اپنے والدین سے ورثے میں حاصل کی ہو۔ میں نے دو سال پہلے دو نہایت قابل سائنسدانوں کے ساتھ ایک پراجیکٹ پر کام کیا ہے۔ ان میں سے ایک صاحب مکمل دہریہ تھے جبکہ دوسرے ہر اتوار رومن کھیتولک چرچ جایا کرتے تھے۔ ہمارے اپنے پروفیسر عبدالسلام کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ذاتی زندگی میں اپنی مذہبی جماعت سے گہرا تعلق رکھتے تھے۔ دراصل ایک ذہین انسان کے اندر یہ صلاحیت موجود ہوتی ہے کہ وہ اپنے اندر مخالف خیالات کو بھی بیک وقت ایڈجسٹ کر لے۔ ہمارے اپنے معاشرے میں ایسے لوگ عام ملتے ہیں جو بظاہر مغربی وضع قطع رکھتے ہیں لیکن لال شہباز قلندر کی دھمال سنتے ہی جھومنے لگتے ہیں۔ میرے ایک سائنسدان دوست، جو مارمن ہیں، کا کہنا ہے کہ ''میں مذہبی روایات و واقعات کو سائنسی یا تاریخی نقطہ نظر سے پرکھنا درست نہیں سمجھتا۔ شاید یہ قصے، یہ روایات تمثیلی ہوں یا ہوسکتا ہے کہ لوگوں کو سمجھ ہی ایسے آئے ہوں۔ بہرحال میرا مذہب میری شخصیت کا حصہ ہے اور میرا چرچ مجھے میری کمیونٹی سے جوڑنے کا ایک اہم وسیلہ۔ میں اس سے دستبردار نہیں ہوسکتا۔''

سائنسی تعلیم کا مقصد طالب علموں کو محض سائنسی معلومات دینا نہیں بلکہ ان کے اندر سائنسی انداز فکر بھی پیدا کرنا ہے۔ مذہبی خیالات کی آمیزش سے یہ انداز فکر خالص سائنسی نہیں رہتا کیونکہ سائنس کی دنیا مشاہدات و تجربات پر مبنی ہے جبکہ مذہب کی بنیاد ایمان بالغیب پر ہے۔ سائنس میں تقلید نہیں اور نہ ہی کوئی شے مقدس۔ سائنس میں قدیم کی بجائے جدید کو فوقیت حاصل ہے اور ہر بات، اور ہر دعوے کی تصدیق و تردید کا معیار مذہب سے بالکل مختلف ہے۔ جب ایک طالب علم یہ دعویٰ پڑھتا ہے کہ جو کچھ سائنس نے دریافت کیا ہے وہ پہلے سے ہی کسی اور ذریعے سے معلوم کیا جا چکا ہے تو اس کی سائنسی سوچ بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ جب وہ اس بات کو تسلیم کر لیتا ہے کہ مشاہدے کے علاوہ بھی سائنسی علم کا کوئی ذریعہ ہے تو پھر وہ اپنے اعتقادات کے بظاہر مخالف سائنسی مشاہدات کو رد بھی کر سکتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دن میں انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور کے کیفے ٹیریا میں بیٹھا اپنے دوستوں سے زمین کی گردش پر کوئی بات کر رہا تھا کہ دو تین صاحبان، جن کی مخصوص وضع قطع سے ان کی ایک معروف دینی جماعت سے وابستگی کا پتہ چل رہا تھا، میری بات سن کر میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ''برادر آپکا علم بہت ناقص ہے۔ زمین تو گردش ہی نہیں کرتی بلکہ ساکن ہے۔''

میں حیران رہ گیا کیونکہ اس وقت تک میرا خیال تھا کہ آج کل تمام فرقے زمین کی گردش کے قائل ہیں۔ ان سے بات کرنے سے البتہ پتہ چلا کہ ان کے مذہبی عالم نے قریباً سو سال پہلے زمین کی گردش کو کسی مذہبی وجہ سے رد کر دیا تھا اور یہ بات اب اُن کے ایمان کا حصہ تھی۔ جب انہوں نے بتایا کہ وہ الیکٹریکل انجینئرنگ کے طالب علم ہیں تو میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے سیٹلائٹ کمیونی کیشن والا باب نہیں پڑھا۔ یہ سن کر کہنے لگے کہ ''سائنس سے غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے جسے وہ زمین کی حرکت سمجھ رہے ہوں وہ کچھ اور ہو۔ بہر حال زمین ساکن ہے اور آپ اپنے خیالات درست کر لیں۔''

گذشتہ تین چار دہائیوں سے ہمارا مجموعی سائنسی اندازِ فکر اس حال تک پہنچ چکا ہے کہ ایک شخص کھڑے ہو کر Thermodynamics کے قوانین کے بالکل برعکس کار چلانے کا دعویٰ کرتا ہے تو پوری قوم جھوم اٹھتی ہے، موقر کالم نویس اس ایجاد کی تعریف میں رطب اللسان ہو جاتے ہیں اور ہمارا سب سے مایہ ناز سائنسدان نہ صرف اس کی حمایت کرتا ہے بلکہ ثبوت کے طور پر ریڈرز ڈائجسٹ میں چھپی تحریروں کا حوالہ بھی دیتا ہے۔ ایک اور سائنسدان جو ایٹمی پروگرام سے وابستہ ہیں کے بارے میں ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ اس بات پر تحقیق کر رہے ہیں کہ جنوں سے توانائی کیسے حاصل کی جائے۔ یہ چیزیں ظاہر کرتی ہیں کہ ہم نے پاکستان میں سائنسی اندازِ فکر کے ساتھ کیا کھیل کھیلا ہے۔ ہمیں اپنی درسی کتابوں میں ایسی چیزیں داخل کرنے سے پہلے اپنے آپ سے یہ سوال کرنا چاہیے کہ ہم پاکستان کی نئی نسل کی کیا تربیت کرنا چاہتے ہیں۔ کیا ہم نے باقی دنیا کے ساتھ آگے چلنا ہے یا زمین جنبد نہ جنبد گل محمد کے مصداق اپنی گذشتہ عظمت کے سہانے خوابوں میں ہی گم رہنا ہے۔